

• ڈاکٹر محمد عامر اقبال

پروفیسر عبدالحق کی اقبال شناسی: ”بیاضِ اقبال“ کی روشنی میں

Professor Abdul Haque as an Iqbal's expert
(with special reference to “Bayaz-e-Iqbal”)

Iqbal's diary demands for deep study. Genius thoughts of Iqbal are hidden in this diary. After the study of this diary, the reader considers that Iqbal's thoughts are very intellectual, political, religious, social and economical. When Iqbal wrote this diary, he was in severe mental and economical crisis. Despite this, Iqbal's thoughts appear to be tremendous and fierce. Prof. Abdul Haq has not only given importance to the translation but also emphasized on the linking continuance. By translating this diary, he has made Iqbal's thoughts and philosophy more powerful, by adding to its uniqueness. Prof. Abdul Haq did not make poetic expressions, but has adopted the decent and fascinating approach for presenting Iqbal's thoughts. This article also has a comparative analysis of the three translations of the diary. Prof. Abdul Haq's translation was published many times, and every time a new perspective has been appeared. In the last publication, Prof. Abdul Haq added new figures, that just not only enhance its charm in the world of research and criticism, but also makes him authentic and reliable in this field.

اقبال کی ڈائری بغور مطالعہ کی طلب گار ہے۔ اس میں فکرِ اقبال کے پوشیدہ گوشے ہیں۔ مطالعہ کے بعد افکارِ اقبال کا جو

• اسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، پنجاب، پاکستان۔ amir.iqbal@uskt.edu.pk

رنگ سامنے آتا ہے وہ انتہائی مفکرانہ، مدبرانہ، سیاسی، مذہبی، سماجی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اور آفاقی ہے۔ یہ دور جب اقبال نے ڈائری لکھی، وہ اقبال کے ذہنی اور معاشی بحران کا سخت ترین دور ہے۔ اس کے باوجود فکرِ اقبال پوری آب و تاب کے ساتھ رواں دواں اور جلوہ گر نظر آتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے اس کے ترجمے میں عبارتی تسلسل کو نہیں بلکہ ربطِ خیال کو اہمیت دی ہے۔ آپ نے اس ڈائری کا ترجمہ کر کے اقبال کے فکر و فلسفہ کو مزید موثر بنایا ہے جس سے اس ڈائری کی انفرادیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے شاعرانہ انداز اختیار نہیں کیا بلکہ فکرِ اقبال کو پیش کرنے کے لیے درست نثری اور فکری انداز اپنایا ہے۔ اس مضمون میں ڈائری کے ہونے والے تین تراجم کا موازنہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ پروفیسر عبدالحق کا ترجمہ چار مرتبہ شائع ہوا اور ہر اشاعت میں نئے سے نیا رنگ سامنے آیا۔ آخری اشاعت میں پروفیسر عبدالحق نے نئے اعداد کا اضافہ کیا جو تحقیق اور تنقید کی دنیا میں نہ صرف دلکش اضافہ ہے بلکہ پروفیسر عبدالحق کو تحقیق و تنقید کے میدان میں مستند اور معتبر بناتا ہے۔

اقبال کی بیاض کی افادیت کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس بیاض کے تین تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔ ان تین تراجم میں ہر ترجمہ نگار نے اپنی جانب سے ترجمہ کے اصولوں کو مد نظر رکھ کر ترجمہ پیش کیا ہے۔ عبدالحق نے بھی بہت توجہ سے اقبال کی ڈائری کا ترجمہ کیا ہے۔ اقبال نے اپنے ان خیالات کو چند ماہ میں قلم بند کیا۔ اگر ہم ان خیالات کو اقبال کی دونوں مثنویوں اسرارِ خودی اور رموزِ خودی کے ساتھ ملا کر ایک حصہ بنالیں اور ۱۹۱۸ء کے بعد کے تصورات کو ملا کر دوسرا حصہ بنالیں تو ذہنِ اقبال کی فکری سرگزشت مرتب کی جاسکتی ہے۔ ڈائری کے مندرجات پر غور و فکر کے بغیر یہ ممکن ہی نہیں کہ اقبال کی فکر کو پروان چڑھایا جاسکے۔ پروفیسر عبدالحق نے ابتدائیہ میں جو متفکرانہ باتیں کہیں ان پر غور کریں تو ”بکھرے خیالات“ میں افکار کا ایک سمندر ہے جو غوطہ زن نظر آئے گا اور قاری کو دعوت مطالعہ دے گا۔

اس میں ترجمہ کرتے وقت پروفیسر عبدالحق نے اقبال کے تصورات کو عام فہم زبان میں پیش کیا ہے۔ آپ نے عبارتی تسلسل کو نہیں بلکہ ربطِ خیال کو مرکزی اہمیت دی ہے۔ آپ نے جب اشاعت کے لیے ترجمہ کو پریس میں بھجوایا تو خبر ملی کہ پاکستان میں ”شذرات فکرِ اقبال“ کے نام سے بھی اس ڈائری کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ مگر وہ مطبوعہ ترجمہ ۱۹۷۵ء میں بھی ہندوستان میں دستیاب نہ تھا اس لیے یہ ترجمہ ہندوستان میں شائع کیا گیا۔ پھر ۱۹۸۵ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ ۲۰۱۵ء میں بھی اس کا ایک ایڈیشن شائع کیا گیا۔ ان تمام تراشاعتوں کے ضمن میں پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

”اقبال کی اس ڈائری کا ترجمہ پہلی بار ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ اس وقت والدین کی سرپرستی میسر تھی۔ اب محض ان کی خوشگوار یادیں محفوظ رہ گئی ہیں۔ دوسرا ایڈیشن ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ اس ایڈیشن میں انگریزی متن کو بھی شامل کیا گیا تاکہ اصل عبارت سامنے رہے۔ جاوید اقبال کے انگریزی مقدمہ کو اب شامل کر لیا گیا۔ یہ تیسری اشاعت ہے جس سے اقبال کے نو دریافت شذرات فکر کو بھی شامل کر کے تمام بکھرے خیالات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔“ ا۔

پروفیسر عبدالحق نے ابتدائیے میں ”بکھرے خیالات“ کی افادیت پر روشنی ڈالی ہے جس سے اس بیاض کی اہمیت اور اقبال کے فکر و فلسفہ پر بہ خوبی نظر ڈالی جاسکتی ہے۔ ان مندرجات پر غور کرنے سے فکر اقبال کو سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے ڈاکٹر جاوید اقبال کے دیے گئے تعارف کے انگریزی متن کو بھی ترجمہ سمیت پیش کیا ہے۔ تعارف میں ڈاکٹر جاوید اقبال نے بتایا ہے کہ یہ یادداشت اقبال کے کاغذات پر پڑی تھی۔ اقبال نے ۲/۱۰ اپریل ۱۹۱۰ء سے اس ڈائری کو لکھنا شروع کیا اور کچھ مہینے تک لکھتے رہے۔ لکھنے اور رکنے یا نہ لکھنے کا سبب سامنے نہ آسکا۔ اقبال نے اپنی ڈائری میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے جاوید اقبال نے کہا ہے کہ سب سے اتفاق کرنا ضروری نہیں ہے۔ ہاں اس ڈائری کے مطالعہ سے ہم اس قابل ضرور ہو جاتے ہیں کہ ذہن اقبال کی بیداری، گہرائی اور زرخیزی دیکھ سکیں۔ یہ دعویٰ ہر ایک کے لیے ناممکن ہے کہ وہ اقبال کی ڈائری میں موجود افکار کو اچھی طرح سمجھ چکا ہے۔ اقبال زبردست ہیجان کا شکار بھی رہے۔ معاشی طور پر بھی پریشان تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے تعارف میں لکھا ہے:

”اس یادداشت کے شروع کرنے سے چند ماہ قبل اسی غرض سے وہ ریاست حیدر آباد گئے تھے۔ لیکن وہاں کے لوگوں کی مردہ دلی (سرد مہری) اور نظام کی انگریزوں سے جی حضوری دیکھ کر انھیں بہت زیادہ بیزارى اور مایوسی ہوئی اور وہ لاہور واپس لوٹ آئے۔“ ۲

عطیہ فیضی کے نام خطوط سے لوگوں تک تنگ نظری، ریاکاری اور نفرت سے معمور معاشرہ سامنے آتا ہے۔ عطیہ فیضی لندن میں تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ اقبال کا وہاں ان سے تعارف ہوا۔ اسی تعارف کے حوالہ سے ڈاکٹر جاوید اقبال نے لکھا ہے:

”عطیہ لندن میں تعلیم پارہی تھیں اور اقبال کیمبرج میں۔ عطیہ اپنے سفر کی ڈائری کی وجہ سے اور اپنے صوری اور معنوی محاسن کی وجہ سے ایسی نہ تھیں کہ ان کا چرچا ہندوستانی طلباء میں نہ ہو۔ اقبال کے کان بھی آشنا ہوئے ہوں گے۔“ ۳

عطیہ فیضی کے حوالے دے کر اقبال کے اس دور کو بے چینی کا دور قرار دیا گیا ہے۔ اور اقبال کی کیفیت کو ہیجان انگیز کہا گیا ہے۔ عطیہ فیضی کا ۹/۱۰ اپریل ۱۹۰۹ء کا ایک خط، اس کے علاوہ اقبال کے کچھ سیاسی، سماجی، اخلاقی اور معاشی معاملات کا انتہائی خوبصورت امتزاج ”بکھرے خیالات“ کے لیے عمدہ ترین تعارف کا باعث ثابت ہوا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال نے ”تصویر درد“ ”نالہ یتیم“ اور فریاد بہ حضور سرور کائنات ﷺ جیسی نظموں کی تخلیق کے حالات و واقعات کی وجوہات بیان کیں اور مسلمانوں کی حالت پر ماتم کیا۔ ڈاکٹر جاوید اقبال اختتام پر دو ٹوک الفاظ میں اعلان کرتے ہیں کہ:

”اقبال ہندوستانی برصغیر میں پہلے مسلمان تھے جس نے اسلامی سوشلزم کے قیام کا باضابطہ مطالبہ کیا۔ اقبال کے پیغام کا صحیح رد عمل یہ ہونا چاہیے کہ ان معاشی اور دوسرے شعبوں کی ترقی ہو جن کے ذریعہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہو سکے۔ اقبال پر جوش جدوجہد کی علامت تھی۔ وہ متکلمانہ سخن سازی کے حق میں نہ تھے۔ اقبال کے پیغام کو مقبول عام بنانے کی کوشش کے باوجود بد قسمتی سے وہ ایک بیش بہا جوہر کی طرح غبار میں پوشیدہ ہیں۔“ ۴

پروفیسر عبدالحق نے اقبال کی بیاض کا مطالعہ بہت ہی گہرائی سے کیا "Stray Reflections" میں جتنے بھی افکار ہیں پروفیسر عبدالحق نے سب کا ترجمہ کیا ہے۔ "۱۹۱۰ء، Stray Reflecions،" میں ۲۵ تا ۱ تک عدد شامل ہیں جب کہ ۱۹۱۷ء کے Stray Reflections میں ایک عدد اضافی شامل ہے اور ۱۹۲۵ء کے Stray Reflections میں دس مزید عدد شامل ہیں۔ اس طرح کل عدد (۱۳۶) بنتے ہیں۔

پروفیسر عبدالحق نے شاعرانہ انداز میں ترجمہ نہیں کیا بلکہ فکرِ اقبال کو پیش کرنے کے لیے درست نثری اور فکری انداز اختیار کیا ہے "بکھرے خیالات" سے منتخب چند افکار کے انگریزی متن اور تینوں مترجمین کے ترجموں پر نظر ڈالتے ہیں۔

5. The Existence of God:

My friends often ask me, "Do you believe in the existence of God?" I think i am entitled to know the meanings of the terms used in this question before i answer it. My freinds ought to explain to me what they mean by "believe", "existence" and "God", especially by the last two, if they want an answer to their question. I confess I do not understand these terms; and whenever I cross-examine them I find that they do not understand them either .

پروفیسر عبدالحق اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

وجود باری تعالیٰ:

میرے دوست اکثر مجھ سے سوال کرتے ہیں: ”کیا تم خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہو؟“ قبل اس کے کہ میں اس سوال کا جواب دوں، میں سوچتا ہوں کہ اس سوال میں مستعمل اصطلاحات کے مفہیم جاننے کا مجھے حق حاصل ہے اگر میرے دوست اپنے سوال کا جواب چاہتے ہیں تو ان کو مجھے پہلے سمجھانا چاہیے کہ ”یقین“، ”وجود“ اور ”خدا“ بالخصوص آخر الذکر دو لفظوں سے ان کی کیا مراد ہے؟ مجھے اعتراف ہے کہ میں ان اصطلاحات کو نہیں سمجھتا ہوں، اور جب میں ان سے جرح کرتا ہوں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ خود بھی ان دونوں (اصطلاحات) کو نہیں سمجھتے۔“

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

خدا کا وجود:

میرے احباب مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں: ”کیا تم خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہو؟“ میرا خیال ہے کہ جواب دینے سے

پہلے، مجھے یہ حق حاصل ہے کہ اس سوال میں جو کلمات استعمال ہوئے ہیں، ان کا مطلب معلوم کر لوں۔ اگر میرے احباب اپنے سوال کا جواب چاہتے ہیں تو انہیں پہلے یہ واضح کر دینا چاہیے کہ ”خدا“، ”وجود“ اور ”ایمان“ (خصوصاً اول الذکر دو کلموں) سے ان کی کیا مراد ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں ان کلمات کو نہیں سمجھتا اور جب کبھی میں ان میں جرح کرتا ہوں تو یہ دیکھتا ہوں کہ میری طرح وہ بھی نہیں سمجھتے۔“

میاں ساجد علی کے ترجمے پر نظر ڈالتے ہیں:

خدا کا وجود:

میرے دوست اکثر مجھ سے پوچھتے ہیں: ”کیا تم خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہو؟“ میرا خیال ہے کہ میں حق بجانب ہوں کہ جواب دینے سے پہلے ان اصطلاحات کے معانی جانوں جو اس سوال میں استعمال ہوئی ہیں۔ اگر وہ اپنے سوال کا جواب چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ مجھ پر واضح کریں کہ ”یقین“، ”وجود“ اور ”خدا“۔ (خاص طور پر آخری دو) سے ان کی کیا مراد ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں ان اصطلاحات کو نہیں سمجھتا اور جب کبھی میں ان پر جرح کرتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میری طرح نہیں سمجھتے۔

تینوں مترجمین نے اقبال کی فکر کو پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور تینوں نے خوبصورت ترجمہ پیش کیا ہے۔ اقبال نے خدا کے تصور کے حوالے سے اس ڈائری میں عدد (۱۰) میں اپنا نقطہ نظر واضح کیا ہے۔ اس کا انگریزی متن پروفیسر عبدالحق نے کچھ یوں لکھا ہے:

10. The God of Islam:

Christianity describes God as love; Islam as power. How shall we decide between the two conception? I think the history of mankind and of the universe as a must fell us as to which of the two conceptions is truer. I find that God reveals Himself in history more as power than love. I do not deny the love of God; I mean that, on the basis of our historical experience. God is better described as power.

پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ کچھ یوں کیا ہے:

اسلام کا تصورِ الٰہ:

عیسائیت خدا کو محبت بتاتی ہے اور اسلام طاقت۔ ہم دونوں تصورات کے مابین کیسے فیصلہ کریں؟ میں سمجھتا ہوں کہ

تاریخ انسانی اور تاریخ کائنات کو بہ حیثیت مجموعی چاہیے کہ ہمیں بتائے کہ ان دونوں تصورات میں سے کون زیادہ صحیح ہے۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ خدا تاریخ میں خود کو محبت کے مقابلہ میں بہ طور طاقت زیادہ نمایاں کرتا ہے۔ میں خدا کی محبت سے انکار نہیں کرتا میرا مطلب یہ ہے کہ تاریخی تجربات کی بنا پر خدا کو بہ طور طاقت پیش کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی عدد (۱۰) ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

اسلام کا تصور خدا:

عیسائیت نے خدا کی رحمت و شفقت پر زور دیا ہے۔ اور اسلام نے قادر مطلق خدا کا تصور پیش کیا ہے۔ ہم ان دو تصورات میں کیسے محکمہ کریں؟ میرا خیال ہے کائنات اور بنی نوع انسانی کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں سے کون سا تصور صحیح تر ہے۔ میں تاریخ میں خدا کی رحمت و شفقت سے زیادہ اس کی قدرت کا ظہور دیکھتا ہوں۔ میری مراد یہ ہے کہ تاریخی تجربے کی بنا پر خدا کو قادر مطلق کہنا زیادہ مناسب ہے۔

میاں ساجد علی نے عدد (۱۰) کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے۔

”اسلام کا تصور خدا“ عیسائیت نے خدا کو صفت محبت سے موصوف کیا ہے۔ جبکہ اسلام نے قادر مطلق کا تصور پیش کیا ہے۔ ہم دونوں تصورات کے درمیان کیسے فیصلہ کریں؟ میرے خیال میں نوع انسانی اور کائنات کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان میں سے کون سا تصور زیادہ صحیح ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ تاریخ میں محبت سے زیادہ خدا کی قدرت کا ظہور ہے۔ میں خدا کی محبت کی تکذیب نہیں کرتا بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے تاریخی تجربے کی بنا پر، خدا کو قادر مطلق کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تینوں مترجمین نے فکر اقبال کے ترجمہ میں کوشش کی ہے کہ جو پیغام اقبال نے دیا ہے وہ ضرور پہنچے اور تینوں مترجمین اس بات میں کامیاب رہے ہیں۔ یورپ سے واپس آنے کے بعد حب الوطنی کے حوالہ سے اقبال کے نظریات بالکل بدل گئے۔ عدد (۱۹) کا مطالعہ اس حوالے کی اہم ترین کڑی ہے۔

19. Patriotism:

Islam appeared as a protest against idolatry. And what is patriotism but a substale form of idolatry; as deification of a material object. The patriotic songs of various nations will bear me out in my calling patriotism a derfication of a materail object. Islam could not tolerate idolatry in any forms. It is our eternal mission to protest against idolatry in all its form. What was to be demolished by Islam

could not be made the very principle of its structure as a political community. The fact that the Prophet prospered and died in a place not his birth- place is perhaps a mystic to the same effect.

پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

حُب الوطنی:

اسلام کا ظہور، بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر ہوا اور حُب الوطنی بت پرستی کی ایک لطیف صورت کے سوا اور کیا ہے۔ ایک مادی شے کو معبود شے کا درجہ عطا کیا گیا ہے اور میرے اس خیال کی تصدیق و توثیق مختلف قوموں کے وطن پرستانہ ترانے کریں گے۔ اسلام بت پرستی کی کسی شکل کو بھی برداشت نہیں کر سکا۔ یہ ہمارا ازلی وابدی نصب العین ہے کہ ہم بت پرستی کی تمام صورتوں کے خلاف احتجاج کریں۔ اسلام نے جس چیز کا قلع قمع کیا اس کو، اس کی اس عمارت کی بنیاد نہیں قرار دیا جاسکتا، جس کی حیثیت ایک ہیئیتِ سیاسیہ کی ہے۔ یہ حقیقت کہ پیغمبر اسلام کا عروج اور وصال ایسے مقام پر ہوا جو ان کی جائے پیدائش نہ تھا۔ جو شاید اس حقیقت کی طرف ایک پراسرار اشارہ ہے۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس کا ترجمہ بھی کیا ہے اور حوالہ جات کے طور پر چند اشعار بھی لکھے ہیں۔ تفصیل کچھ یہ ہے:

وطن پرستی:

اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے۔ مختلف قوموں کے وطنی ترانے میرے اسی دعوے کا ثبوت ہیں کہ وطن پرستی ایک مادی شے کی پرستش سے عبارت ہے۔ اسلام کسی صورت میں بت پرستی کو گوارا نہیں کر سکتا۔ بت پرستی کی تمام اقسام کے خلاف احتجاج کرنا ہمارا ابدی نصب العین ہے۔ اسلام جس چیز کو مٹانے کے لیے آیا تھا، اسے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کا بنیادی اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔ پیغمبر اسلام کا اپنی جائے پیدائش مکہ سے ہجرت فرما کر مدینے میں قیام اور وصال، غالباً اسی حقیقت کی طرف ایک مخفی اشارہ ہے۔

۱۔ یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے غارت گر کا شانہ دین نبوی ہے

نظارہ دیرینہ زمانے کو دکھا دے اے مصطفوی خاک میں اس بت کو ملا دے

۲۔ ہے ترک وطن سنتِ محبوبِ الٰہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

(وطنیت، بانگ دراص ۱۷۴)

میاں ساجد علی نے اس کا ترجمہ اور وضاحت کچھ یوں پیش کی ہے:

وطن پرستی:

اسلام بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کے طور پر ظاہر ہوا۔ وطن پرستی کیا ہے، بت پرستی کی ایک لطیف قسم، ایک مادی شے کو معبود ٹھہرانا ہے۔ اسلام کسی بھی صورت میں بت پرستی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہمارا ازلہ مقصد ہے کہ بت پرستی کی تمام اقسام کے خلاف احتجاج کریں۔ اسلام نے جس چیز کو مٹایا تھا وہ سیاسی گروہ کی ساخت کا اہم اصول نہیں بنایا جاسکتا۔ یہ حقیقت کہ پیغمبر کا قیام اور وصال، جو جائے پیدائش پر نہیں ہوا اتفاقاً اسی حقیقت کی طرف ایک عرفانی اشارہ ہے۔

۱۔ پیغمبر سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی پیدائش مکہ معظمہ میں ہوئی۔ ہجرت کے بعد ان کا قیام اور وصال مدینہ منورہ میں ہوا۔ علامہ اقبال نے اپنی نظم ”وطنیت“ میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی غارت رہ بحر میں آزاد وطن صورت ماہی
ہے ترک وطن سنت محبوب الہی دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتارِ سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے (بانگ درا)

مترجمین کی کوششیں قابل تحسین ہیں۔ اقبال وطنیت کے مغربی تصور سے بیزار تھے۔ مغربی تصور وطنیت دراصل سیاسی تصور ہے۔ اقبال نے اپنی اس بیاض میں حب الوطنی کے ساتھ ساتھ قومیت اور وطنیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ اس بیاض میں بہت سی قابل قدر شخصیات کا ذکر بھی نمایاں انداز میں کیا گیا ہے۔ غالب کے بارے میں اقبال نے لکھا ہے۔ (عدد ۳۳)

33. Ghalib:

As far as I can see Mirza Ghalib the Persian poet- is probably the only permanent contribution that we- Indian Muslims have made to the general Muslim literature. Indeed he is one of those poets whose imagination and intellect place them above the narrow limitations of creed and nationality. His recognition is yet to come.

پروفیسر عبدالحق اس کے ترجمے میں رقم طراز ہیں کہ:

عدد ۳۳۔ غالب:

میری نظر میں مرزا غالب فارسی شاعر کی حیثیت سے عام مسلم ادبیات میں ہم ہندوستانی مسلمانوں کا غالباً واحد مستقل

اضافہ ہے۔ بلاشبہ وہ ان شاعروں میں سے ایک ہے جس کا ذہن و تخیل اسے نسل و قومیت کے تنگ حدود سے بلند مقام پر فائز کرتا ہے۔ غالب کی عظمت کا اعتراف ابھی ہونا ہے۔

غالب کے حوالہ سے پروفیسر عبدالحق کے تین مضامین سامنے آتے ہیں۔ پہلا مضمون ”اقبال اور غالب کے ذہنی رشتے“ یہ مضمون آپ کی تصنیف ”فکرِ اقبال کی سرگذشت“ میں شامل ہے۔ دوسرا مضمون آپ نے ایک مذاکرے میں پڑھا تھا جو ۱۹۹۷ء میں ہوا۔ اس کا عنوان ”اقبال اور غالب شناسی“ تھا جو آپ کی تصنیف ”اقبال کی شعری و فکری جہات“ میں شامل ہے۔ تیسرے مضمون کا عنوان ”اقبال کی غالب شناسی“ ہے جو آپ کی تصنیف ”اقبال اور اقبالیات“ میں شامل ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے ”شذراتِ فکرِ اقبال“ میں عدد (۳۳) کا اردو زبان میں ترجمہ ”غالب“ کے عنوان سے کچھ یوں کیا ہے۔

میری رائے میں مرزا غالب کا فارسی کلام، شاید مسلمانانِ ہند کی جانب سے وہ واحد پیشکش ہے، جس سے ملت کا عام ادبی سرمائے میں کوئی مستقل اضافہ ہوا ہے۔ غالب یقیناً ان شعرا میں سے ہے، جن کا ذہن اور تخیل انہیں مذہب اور قومیت کے تنگ حدود سے بالا تر مقام عطا کرتا ہے۔ غالب شناسی کا حق ادا ہونا بھی باقی ہے۔

۱۔ مرزا اسد اللہ غالب (۱۷۹۶ء-۱۸۶۹ء): فارسی اور اردو کا عظیم شاعر۔ ندرت خیال و حسن میں بے مثال۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ افکار کے اظہار کے لیے جن شعرا کے اسالیب فن سے استفادہ کیا، ان میں غالب کو اولیت حاصل ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۱ء میں غالب کو ایک نظم میں خراج تحسین پیش کیا، جس کا پہلا شعر ہے:

فکرِ انسان پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا ہے پیر مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا! (بانگ درا ۹)

میاں ساجد علی نے ترجمہ بھی کیا ہے اور تعارف بھی لکھا ہے۔

عدد ۳۳۔ غالب:

جہاں تک مرزا غالب بحیثیت ایک فارسی شاعر کے متعلق میری رائے کا تعلق ہے غالباً یہ ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے واحد مستقل عطیہ ہے جس سے عمومی اسلامی ادب میں اضافہ ہوا۔ واقعی وہ ان شعرا میں سے ہے جن کی قوتِ متخیلہ اور ذہانت، انہیں عقائد اور قومیت کی تنگ بندیوں سے بالاتر کر دیتی ہے۔ اس کی قدر افزائی کا حق ادا کرنا بھی باقی ہے۔

۱۔ مرزا اسد اللہ بیگ خان: ۲۷/ دسمبر ۱۷۹۷ء - ۱۸/ فروری ۱۸۶۹ء) کلاسیکی اردو اور فارسی شاعر۔ غالب اور اسد تخلص کرتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں مغلوں کا زوال اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد برطانوی راج کا مشاہدہ کیا تھا۔ اردو غزلوں اور فارسی کلیات کے علاوہ مہرِ نیم روز، اردوئے معلیٰ اور عودِ ہندی غالب کی مشہور کتابیں ہیں۔ اقبال نے اپنے فلسفیانہ افکار

کے اظہار کے لیے جن شعر کے اسالیب فن سے استفادہ کیا، ان میں غالب کو اولیت حاصل ہے۔ ۱۹۰۱ء میں ”مرزا غالب“ کے عنوان سے ایک نظم میں غالب کو خراج تحسین پیش کیا۔ جس کا یہ شعر اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

لطف گویائی میں تری ہمسری ممکن نہیں ہو تخیل کا نہ جب تک فکر کامل ہم نشین (بانگ درا)

غالب کے علاوہ دیگر کئی شخصیات کا ذکر بھی اقبال نے کیا ہے اور ایک جگہ تو بہت سوں سے جو حاصل کیا ہے اس کا کھلم کھلا اعتراف بھی کیا ہے۔ (عدد ۳۶) میں لکھتے ہیں:

36 .Hegel, Goethe, Ghalib, Bedil and Wordsworth.

I confess I owe a great deal to Hegel, Geothe, Mirza Ghalib, Mirza Abdul Qadir Bedil and Wordsworth. The first two led me into the "inside" of things; The third and fourth taught me how to remain oriental in spirit an expression after having assimilated foreign ideals of poetry, and the last saved me from atheism in my student days.

پروفیسر عبدالحق اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کرتے ہیں:

۳۶۔ ہیگل، گوٹے، غالب، بیدل اور ورڈس ور تھ:

مجھے اعتراف ہے کہ میں نے ہیگل، گوٹے، مرزا غالب، مرزا عبدالقادر بیدل اور ورڈس ور تھ سے بہت کچھ لیا ہے۔ اول الذکر دونوں شاعروں نے اشیا کے اندروں تک پہنچنے میں میری رہبری کی۔ تیسرے اور چوتھے شاعر نے مجھے یہ سکھایا کہ شاعری کے غیر ملکی تصورات کو جذب کرنے کے بعد بھی جذبہ و اظہار میں کیسے مشرقیت کو برقرار رکھا جاسکتا ہے اور موخر الذکر نے میری طالب علمی کے زمانے میں مجھے دہریت سے بچالیا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے (عدد ۳۶) کے ترجمے میں لکھا ہے:

۳۶۔ ہیگل، گوٹے، غالب، بیدل اور ورڈس ور تھ:

میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ہیگل، گوٹے، مرزا غالب، عبدالقادر بیدل اور ورڈس ور تھ سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ ہیگل اور گوٹے نے اشیا کی باطنی حقیقت تک پہنچنے میں میری رہنمائی کی۔ بیدل اور غالب نے مجھے یہ سکھایا کہ مغربی شاعری کی اقدار اپنے اندر سمو لینے کے باوجود، اپنے جذبے اور اظہار میں مشرقیت کی روح کیسے زندہ رکھوں، اور ورڈس ور تھ نے طالب علمی کے زمانے میں مجھے دہریت سے بچالیا۔ اس کے اختتام پر مرزا عبدالقادر بیدل اور ورڈس ور تھ کا تعارف بھی دیا گیا ہے۔

میاں ساجد علی نے اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

۳۶۔ ہیگل، گوئٹے، غالب، بیدل اور ورڈز ور تھ:

مجھے اعتراف ہے کہ میں ہیگل، گوئٹے، مرزا غالب، مرزا عبدالقادر بیدل اور ورڈز ور تھ کا بہت مقروض ہوں۔ پہلے دو نے اشیا کے باطن کو جانچنے میں میری رہنمائی کی، تیسرے اور چوتھے نے مجھے سکھایا کہ شاعری کے مثالی مغربی خارجیت میں رچ بس جانے کے بعد اس کی روح اور اظہار کو کیسے مشرقی رکھوں اور آخری نے مجھے میرے طالب علمی کے دنوں میں دہریت سے محفوظ رکھا۔

مترجم نے بھی مرزا عبدالقادر بیدل اور ولیم ورڈز ور تھ کا تعارف پیش کیا ہے۔

اقبال کی ڈائری میں دیگر مذاہب کے مفکرین کا ذکر بھی موجود ہے۔ ہندی فکر و فلسفہ کا اقبال نے خاص طور پر مطالعہ بھی کیا تھا۔ ڈائری میں بھی اس کی جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ اقبال نے گوتم بدھ کے حوالے سے بھی اپنے افکار کا اظہار کیا ہے۔ عدد ۲۷ میں کہتے ہیں۔

27. European Christianity:

In the sphere of human thought Muhammad, Buddha and Kant were probably the greatest revolutionaries. In the sphere of action. Napoleon stands unrivalled. I do not include Christ among the world's revolutionaries, since the movement initiated by him was soon absorbed by pre-Christian paganism. European Christianity seems to me to be nothing more than a feeble translation of ancient paganism in the language of Semitic theology.

پروفیسر عبدالحق اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں:

۲۷۔ یورپی عیسائیت:

انسانی دنیائے افکار میں محمد ﷺ، گوتم بدھ اور کانٹ غالباً سب سے زیادہ انقلاب انگیز تھے۔ دنیائے عمل میں نپولین کا کوئی حریف نہیں۔ عیسیٰ مسیح کو دنیا کی انقلاب انگیز ہستیوں میں شمار نہیں کرتا کیونکہ ان کی چلائی ہوئی تحریک بہت جلد قبل مسیح کی بت پرستی میں ضم ہو گئی۔ یورپی عیسائیت مجھے سامی الہیات کی زبان میں قدیم بت پرستی کے ایک کمزور (ناقص) ترجمہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

۲۷۔ یورپی عیسائیت:

فکرِ انسانی کے دائرے میں حضرت محمد ﷺ، مہاتما بدھ اور کانٹ غالباً عظیم ترین انقلابی تھے۔ عمل کے میدان میں نپولین کی شخصیت لاثانی ہے۔ میں حضرت عیسیٰؑ کو دنیا کے انقلابیوں میں شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ انہوں نے جس تحریک کا آغاز کیا وہ جلد جاہلیت قبل مسیح کی نذر ہو گئی۔ میرے نزدیک یورپی عیسائیت سامی الہیاب کی زبان میں جاہلیت قدیمہ کے ایک ناقص ترجمے سے زیادہ کچھ نہیں۔

مترجم نے ترجمے کے بعد کانٹ کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے۔

اس ترجمے کے بعد میاں ساجد علی عدد ۲۷ کا ترجمہ اس انداز سے پیش کرتے ہیں:

۲۷۔ یورپی عیسائیت:

انسانی تخیل کے حلقے میں محمد ﷺ، بدھا اور کانٹ غالباً سب سے بڑے انقلابی تھے۔ عمل کے حلقے میں نپولین کی شخصیت بے نظیر ہے۔ میں دنیا کے انقلابیوں میں مسیح علیہ السلام کو شامل نہیں کرتا کیونکہ جو تحریک انہوں نے شروع کی وہ جلد ہی الحاد قبل مسیح میں جذب ہو گئی۔ میرے نزدیک یورپی عیسائیت سامی علم کلام کی زبان میں قدیم جاہلیت کے ایک کمزور ترجمے سے زیادہ کچھ نہیں۔

مترجم نے اس ترجمے کے بعد شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔ تینوں مترجمین نے اپنی بھرپور کوشش کی ہے کہ فکرِ اقبال کو مسخ کیے بغیر، اقبال کا اصل نکتہ نظر واضح کیا جاسکے۔ ترجمے کا انداز تو مترجمین کا اپنا ہے مگر اقبال کی فکر واضح کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔ عدد (۱۱۰) میں اقبال نے اپنی گھریلو زندگی کا نقشہ پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

110. The Poet as a Human Being:

Come, Dear Friend! Thou hast known me only as an abstract and dreamer of high ideals. See me in my home playing with the children and giving those rides turn by turn as if I were a wooden horse! Ah! See me in the family circle lying at the feet of my grey-haired mother the touch of whose rejuvenating hand bids the tide of time backward, and gives me once more the school-boy feeling in spite of all the Kants and Hegels in my head!

Here there wilt know me as a human being.

پروفیسر عبدالحق اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱۱۰۔ شاعر بحیثیت انسان:

میرے پیارے دوست! تو نے مجھے صرف خیالی مفکر اور بلند تصورات کا خواب دیکھنے والا تو جانا ہے۔ مجھے میرے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھو اور یہ دیکھو کہ میں باری باری ان کا مرکب بنتا ہوں۔ گویا میں لکڑی کا ایک گھوڑا ہوں۔ ہاں مجھ کو حلقہ خاندان میں اپنی اس سفید بالوں والی بوڑھی ماں کے قدموں میں پڑے ہوئے دیکھو جس کے شباب انگیز ہاتھ کا لمس وقت کے دھارے کو پیچھے بہا دیتا ہے اور میرے دماغ میں بسے ہوئے کانٹوں اور ہیگلوں (کانٹ اور ہیگل جیسے بہت سے فلسفیوں) کے باوجود مجھے ایک طفلِ مکتب ہونے کا احساس بخشتا ہے۔ یہاں تو مجھے بحیثیت ایک انسان پائے گا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اس کے ترجمے میں لکھا ہے کہ:

۱۱۰۔ شاعر بحیثیت انسان:

میرے عزیز دوست، ادھر آ! تو مجھے صرف ایک تجریدی مفکر اور بلند مقاصد کے خواب دیکھنے والے کی حیثیت سے جانتا ہے۔ آؤ اور مجھے اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتے اور باری باری ان کی سواری کا گھوڑا بنتے دیکھ مجھے اپنے گھر والوں کے درمیان، اپنی بوڑھی ماں کے قدموں میں لپٹا ہوا دیکھ۔ وہاں جس کے حیات بخش ہاتھوں کا لمس وقت کے طوفانی دھارے کا رخ پلٹ دیتا ہے اور مجھے فلسفہ و حکمت کی سر مغزیوں کے باوجود دوبارہ ایک طفلِ مکتب کا سا احساس مسرت عطا کرتا ہے۔ یہاں تو مجھے ایک انسان کے روپ میں دیکھ سکے گا۔

مترجم نے نظم ”والدہ مرحومہ کی یاد میں“ کے تین اشعار کا حوالہ بھی دیا ہے۔

میاں ساجد علی تیسرے مترجم ہیں آپ فرماتے ہیں:

۱۱۰۔ شاعر بحیثیت انسان:

آہ پیارے دوست! تو مجھے ایک تجریدی مفکر اور اعلیٰ مقاصد کے خواب دیکھنے والے کے طور پر جانتا ہے۔ مجھے اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ کھیلتا اور باری باری لکڑی کے گھوڑے کی طرح انہیں اپنے اوپر سوار کرتا دیکھ۔ ہائے! مجھے خاندان کے درمیان اپنی سرمئی بالوں والی ماں کے قدموں سے لپٹا ہوا دیکھ جس کے ہاتھ کا لمس وقت کے طوفانی دھارے کا رخ پلٹ کر مجھے جوان بناتا ہے اور مجھے ایک مرتبہ پھر سکول جانے والے بچے کا احساس دلاتا ہے۔ باوجود یہ کہ میرے تخیل میں کانٹ اور ہیگل کا فلسفہ اور حکمت ہے۔ یہاں تو مجھے ایک بنی نوع انسان کے روپ میں جانے گا۔

یہ تراجم اقبالیات کے مطالعہ میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ تینوں مترجمین کی کاوشیں اصل متن کے مطابق ہیں اور اقبال کے فکر و فلسفہ کو اس انداز میں پیش کرنے کی کوشش کامیاب رہی ہے جو اقبال کی سوچ ہو سکتی تھی۔ دیگر مترجمین کی بہ نسبت پروفیسر عبدالحق کی ترجمہ کردہ ”بکھرے خیالات“ میں نمبر شمار کی تعداد (۱۳۶) ہے۔ اس میں اضافہ شدہ نمبر شمار اور ان کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

Stray Thoughts, 1917

1. The Verse of Naziri: I would not exchange for half a dozen systems of philosophy this one verse of Naziri.

نہست درخشک و تربیشہ من کوتاہی جوب ہر نخل کہ منبر نشود دارکنم
پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ ”بکھرے خیالات“ کی ترتیب کو برقرار رکھتے ہوئے کیا ہے۔ آپ نے اس عدد کو نمبر شمار (۱۲۶) دیا ہے۔ اس طرح آپ نے عددی ترتیب کو برقرار رکھ کر آگے ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمہ میں آپ لکھتے ہیں:

۱۲۶۔ نظیری کا شعر:

میں نظیری کے اس شعر پر فلسفہ کے نصف درجن دبستانوں کو قربان کر سکتا ہوں۔ پھر آپ نے نظیر پوری کا شعر لکھا ہے اور شعر کے حوالہ سے اقبال کی دلچسپی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ پہلے اس شعر کا اردو ترجمہ لکھتے ہوئے آپ کہتے ہیں ”ہمارے جنگل کی ہر لکڑی کارآمد ہے۔ جو منبر کے لائق نہیں ہوتی۔ اس لکڑی سے میں تختہ دار بنالیتا ہوں۔ اقبال کو نظیری (م ۱۰۲۳ھ) بہت پسند ہیں۔ اس شعر کو علامہ نے اپنے پہلے شعری مجموعہ ”اسرار خودی“ کے سرعنوان نقل کر کے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ اقبال نے نظیری کے دوسرے شعر کے بارے میں بھی ذرا سے فرق کے ساتھ یہی قول دہرایا ہے۔

بہ ملک جم نہ وہم مصرعِ نظیری را کسے کہ کشتہ نہ شداز قبیلہ مانہست
(میں نظیری کے اس مصرع پر جم کی سلطنت قربان کر سکتا ہوں کہ جو شہادت حاصل نہ کر سکے وہ میرے قبیلے کا نہیں ہے)

اس شعر کو علامہ نے ”جاوید نامہ“ میں ”نوائے علاج“ میں نقل کیا ہے۔ نظیری کے شعر کا پورا متن اس طرح ہے۔

گریز داز صفِ ماہر کہ مردِ غوغا نیست کسے کہ کشتہ نہ شداز قبیلہ ما نیست

نظیری کا یہ مصرع اقبال کو اتنا عزیز ہے کہ انہوں نے ”جاوید نامہ“ سے قبل ”پیام مشرق“ کی غزل میں بھی استعمال کیا ہے۔ مئے باقی کی ستر ہویں غزل کے دوسرے شعر کا یہ مصرع ثانی ہے (مترجم)

اس سے آگے کے افکار کو ۱۹۲۵ء Stray Thoughts میں شامل کیا گیا ہے۔

1. The weak and the strong

The weak lose themselves in God; the strong discover him in them selves

۱۔ پروفیسر عبدالحق ترجمے میں لکھتے ہیں:

۱۲۷۔ کمزور اور طاقتور:

کمزور خدا میں اپنے کو گم کرتا ہے اور طاقتور اپنے وجود میں اللہ کو دریافت کرتا ہے۔

2. The Question:

For centuries Eastern heart and intellect have been absorbed in the question. Does God exist? I propose to raise a new question- new, that is to say, for the East. Does man exist?

۲۔ پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ کچھ اس طرح کیا ہے:

۱۲۸۔ سوال:

کیا اللہ کا وجود ہے؟ اس سوال کے جواب میں صدیوں سے مشرق کا دل و دماغ الجھا ہوا ہے میں ایک نیا سوال پیش کرتا ہوں۔ بالکل نیا سوال۔ کیا مشرق میں انسان کا وجود ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے اقبال کے خطبات ”تشکیل جدید الہیات اسلامیہ“ کے ساتویں خطبے ”کیا مذہب کا امکان ہے؟“ کا حوالہ دیا ہے۔

3. Islam:

Islam is not a religion in the ancient sense of the word. It is an attitude-an attitude, that is to say, of Freedom and even of defiance to the Universe. It is really a protest against the entire outlook of the ancient word. Briefly, it is the discovery of man.

۳۔ پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

۱۲۹۔ اسلام:

لفظ کے قدیم مفہوم میں اسلام کوئی مذہب نہیں ہے۔ طرز فکر اور آزادی کا نظریہ ہے۔ کائنات سے روگردانی کا بھی۔ یہ درحقیقت قدیم دنیا کے نقطہ ہائے نظر کے خلاف ہے۔ مختصر آئیہ انسان کی تلاش ہے۔

اس کی وضاحت کے لیے پروفیسر عبدالحق نے ”پیام مشرق“ سے ”لالہ طور“ کی رباعیات میں سے چھیلیسویں (۴۶) رباعی کے نصف آخر کو پیش کیا ہے۔

قدم در جستجو نے آدمے زن خدا ہم در تلاش آدمے ہست

4. The Tauhid of Islam

Nietzsche thinks that belief in God makes man feeble. The wisdom of Islam consists in exploiting the idea of God in the interest of man, and transforming him into a source of power for the Tauhid of Islam means absolute freedom from fear and superstition in actual life. A mere intellectual belief in God does not count for much in Islam.

۴۔ پروفیسر عبدالحق اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۳۰۔ اسلام کا توحید:

نطشے کا خیال ہے کہ اللہ پر یقین انسان کو کمزور کرتا ہے۔ اسلام کی حکمت تصورِ الہ کو انسانی فلاح کے لیے بروئے کار لانے پر قائم ہے اور یہ اسلام کے تصورِ توحید کو توانائی بخشنے والی طاقت میں تبدیل کر کے حقیقی زندگی میں توہمات اور خوف سے مکمل طور پر نجات دلاتا ہے۔ اسلام میں صرف عقلی طور پر اللہ پر یقین کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ پروفیسر عبدالحق نے وضاحت کے لیے ”ضربِ کلیم“ کی نظم ”توحید“ کا ایک شعر بھی لکھا ہے۔
زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام

5. Self Sacrifice:

Before you talk to self-sacrifice you must see whether you have got a self to sacrifice. The egotist alone is capable of self sacrifice.

۵۔ پروفیسر عبدالحق نے لکھا ہے:

۱۳۱۔ ذاتی ایثار:

ذاتی ایثار پر گفتگو سے پہلے غور کرنا چاہیے کہ کیا ایثار کرنے کے لیے ہمارے پاس اپنا ہے۔ صرف خود دار یا انا پسند ہی ذاتی ایثار کا مجاز ہے۔

6. The Rebirth of Humanism:

One of the most interesting phenomena of modern history is the births, or rather the rebirth of humanism in the world of Islam. This will no doubt sharpen our sense for matter which centuries of speculative Sufism had dulled; but we must not forget the distinction which the mediaeval thinkers of Europe made between "use" and "enjoyment". We "use" all that is a means to the ecquisition of the ultimate good. The eternal alone is enjoyable; all else is useable only. Europe forgot this distinction long ago and there is no knowing where her unrestrained humanism will carry her.

۶۔ پروفیسر عبدالحق اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۳۲۔ انسانیت کی دوبارہ پیدائش:

جدید تاریخ کی سب سے زیادہ دل چسپ علامت دنیائے اسلام میں انسانیت کی پیدائش بلکہ دوبارہ پیدائش ہے۔ یہ بے شک ہمارے احساس کو تیز کرے گا جسے خیالی تصور نے کند بنا دیا تھا۔ مگر ہمیں اس فرق کو فراموش نہیں کرنا چاہیے جسے یورپ کے متوسط دور کے مفکروں نے ”استعمال“ اور ”انساب“ کے درمیان قائم کیا تھا۔ ہم ”استعمال“ کو مطلق اچھائی حاصل کرنے کے لیے ذریعہ سمجھتے ہیں۔ صرف دائمی وابدی ہی لذت بخش ہے۔ باقی سب صرف استعمال کے لائق ہے۔ زمانہ ہوا کہ یورپ اس فرق کو بھول گیا اور کوئی خبر نہیں کہ اس کی بے لگام انسانیت اسے گورا کر پائے گی۔ اس کے بعد (۱۹۲۵ء Stray Thoughts) کا نمبر شمار ”۷“ آتا ہے۔

7. Knowledge and Fate:

Knowledge partly contributes to the structure of what we call objective reality; but the character of events that drop out of the womb of Fate is wholly determined by the heart of man. It is the weak man who endows Fate with its sting. The strong man exploits his misfortunes, in as much as he enhances the force of his soul by maintaining an attitude of total indifference to them.

۷۔ پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں کیا:

۱۳۳۔ علم اور تقدیر:

علم ہماری معروضی حقیقت کی تشکیل میں جزوی طور پر معاون ہوتا ہے لیکن تقدیر کے آغوش سے پیدا ہونے والے واقعات کی نوعیت انسانی قلب سے متعین ہوتی ہے۔ یہ کمزور انسان ہے جو تقدیر اور اس کی تکلیف کو تسلیم کر لیتا ہے۔ طاقت ور انسان اپنی روحانی طاقت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کر کے انہیں مکمل طور پر نظر انداز کرنے والا نقطہ نظر اپنا کر بد قسمتی کو مات دیتا ہے۔

8. Mi'raj:

The idea of Mi'raj in Islam is face to face vision of reality without the slightest displacement of your own ego. It is impossible to forget the words of the Muslim poet who said of the Prophet this much.

موسے زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے

Iqbal translated the couplet in the "Reconstruction of Religious thought in Islam" as: "Moses fainted away by a mere surface illumination of Reality: Thou seest the very substance of reality with a smile!" KAS ۵

۸۔ پروفیسر عبدالحق اس عدد کے ترجمے اور وضاحت میں لکھتے ہیں:

۱۳۴۔ معراج:

اسلام میں معراج کا تصور اپنی خودی کا ایک لمحے کے لیے خیرگی کے بغیر حقیقتِ مطلق کا روبرو مشاہدہ ہے۔ مسلمان شاعر کے یہ الفاظ ناقابلِ فراموش ہیں جو پیغمبر محمد ﷺ کی شان میں کہے گئے ہیں۔

موسے زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمے

پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ بھی لکھا ہے اور معراج کے حوالہ سے مزید وضاحت کی ہے ترجمہ کچھ یوں ہے۔
”حضرت موسیٰ اللہ کے ایک معمولی جلوے کی تاب نہ لاسکے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر حضور رسالت مآب ﷺ کو دیکھیے کہ معراج میں جلوہ ربانی کا آنکھوں کی چمپک کے بغیر مشاہدہ کرتے رہے۔“ پروفیسر عبدالحق مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”تشکیلِ جدید“ کے چوتھے خطبے میں مذکورہ شعر کے ساتھ اقبال نے قرآن پاک کی ایک آیت بھی نقل کی ہے:

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ - نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی (پارہ ۲۷، سورۃ النجم، آیت ۱۷-۱۸)
 ضرب کلیم میں معراج پر مختصر نظم ہے۔ بال جبریل کا یہ شعر بہت مشہور ہے:
 سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (مترجم)
 اس کے بعد ۱۹۲۵ء Stray Thoughts کا عدد ۹ آتا ہے۔

9. Human Freedom:

Most of our theologians thought the doctrine of human freedom could not be reconciled with the fore-knowledge of God. They looked upon believed in freedom as veiled atheism. So thought Muhammad Shabir tri. But the author of Gulshan-i-Raz

Made the tacit assumption of an absolute and independent. Time like Newton. He did not see that if his view of them were true, then the freedom of God would also disappear. Shabistari's argument will not hold today for God can be conceived as creating time from moment to moment. If the Universe is an open one, there is no pre-existing future, and God does not know the future because there is nothing to know.

۹۔ پروفیسر عبدالحق نے اس کا ترجمہ کچھ ان الفاظ میں کیا ہے:

۵۳۱۔ انسانی آزادی:

زیادہ تر دینیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ تصورِ الہ کو تسلیم کیے بغیر انسانی آزادی کا نظریہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے آزادی کے پردے میں دہریت کو پنہاں دیکھا۔ محمود شبستری نے ایسا ہی سمجھا لیکن گلشن راز کے مصنف نے نیوٹن کی طرح وقت کو ایک خاموش مفروضہ قرار دیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکے کہ اگر ان کا تصور زمان صحیح تھا تو خدا کی آزادی بھی معدوم ہوگی۔ اللہ کی خلاقیت کو تسلیم کرنے کے لیے آج شبستری کی دلیل قبول نہیں کی جاسکتی۔ وقت لمحہ بہ لمحہ ہے۔ اگر کائنات ایک مظہر ہے تو پہلے سے طے شدہ مستقبل کا وجود نہیں ہے اور خدا مستقبل سے باخبر نہیں ہے۔ کیوں کہ اس کے علم سے ماوراء کچھ بھی نہیں ہے۔

(Stray Thoughts, 1925) کے آخری عدد (۱۰) کو دیکھتے ہیں:

10: The Present

People extol the past and deprecate the present, not understanding that the present is the whole of the past concentrated in one point.

۱۰۔ پروفیسر عبدالحق نے بہ طور مترجم اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

۱۳۶۔ حال:

لوگ ماضی کی تعریف میں غلو اور حال کے لیے ناخوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ پورا ماضی حال کے ایک نقطے میں مرکوز ہے۔

اقبال کی بیاض ”بکھرے خیالات“ پر نگاہ ڈالیں تو اس میں ہمیں کہیں بھی وہ پریشانی نظر نہیں آتی جس کا اظہار اس دور کے کچھ خطوط میں ملتا ہے۔ اقبال نے ”بکھرے خیالات“ کا عنوان بھی تجویز کیا۔ کچھ افکار میں اقبال نے ترمیم بھی کی۔ ”بکھرے خیالات“ کا کچھ حصہ اقبال قابل اشاعت سمجھتے تھے۔ اسے رسالہ ”New Era“ جو لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا، اس میں شائع کروایا۔ رفیع الدین ہاشمی نے لکھا ہے:

”کئی برس بعد اقبال کو ان کی افادیت کا احساس ہوا تو انہوں نے سترہ منتخب شذرات رسالہ New Era (۷/اپریل ۱۹۱۷ء) میں شائع کرائے۔ اہم بات یہ ہے کہ اشاعت کے موقع پر ان پر نظر ثانی کر کے ان میں متعدد بار ترامیم کی گئیں۔“

اقبال کی ڈائری میں موجود افکار پر مترجمین اور مفکرین کی نظر رہتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق نے تمام دستیاب اعداد کے تراجم پیش کیے ہیں۔ سابقہ صفحات میں بیان کیے گئے تراجم کوئی تقابلی جائزہ نہیں بلکہ مترجمین کی عالمانہ کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پروفیسر عبدالحق ہی نہیں بلکہ دیگر مترجمین نے بھی الفاظ کے انتخاب میں انتہائی محنت اور سلیقہ مندی کا مظاہرہ کیا ہے، تاہم پروفیسر عبدالحق نے ”بکھرے خیالات“ کو عصری تقاضوں کے عین مطابق نئے اضافہ شدہ تراجم سے ضرور ہم کنار کیا ہے۔

”بکھرے خیالات“ کی زبان شاعرانہ نہیں ہے اس لیے پروفیسر عبدالحق نے بھی انتہائی سنجیدگی اور آسان زبان میں ترجمہ پیش کیا ہے۔ آپ نے ترجمے میں اقبال کی روح کو بیدار رکھا ہے۔ پروفیسر عبدالحق کے ترجمے پر کسی نے کہا کہ حاشیہ نہیں ہے یا وضاحت نہیں ہے۔ کسی نے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی کا ترجمہ بہتر قرار دیا ہے۔ یہ سب ۱۹۷۵ء کے ترجمے کے حوالے سے باتیں ہیں۔ اب اشاریہ بھی ہے۔ حواشی بھی ہیں۔ اصل متن بھی ہے۔ اصل متن کا واضح انگریزی کمپیوٹر عبارت اور پھر ترجمہ بھی موجود ہے۔

ترجمہ ”بکھرے خیالات“ کے لیے مبسوط مقدمہ تحریر کیا گیا۔ اس میں بکھرے خیالات کی افادیت واضح ہوتی ہے۔ پروفیسر عبدالحق فکر اقبال سے خاص طور پر دل چسپی رکھتے تھے اس لیے آپ کی تصانیف اقبال کے خیالات و افکار سے پُر ہیں۔ آپ نے فکر اقبال کی ترجمانی کے لیے اقبال کے نظریات کو عین ان معانی میں پیش کیا ہے جو اقبال کا مقصد تھا۔ آپ نے فکر اقبال میں نہ تو کبھی اپنی اضافی سوچ کو غلط رنگ دے کر گمراہ کرنے کی کوشش کی اور نہ ہی اقبال کو متعصب، فرقہ پرست یا کسی ایسی حد بندی کا شکار کیا جو دوسروں کے لیے قابل ملامت ہو۔ ”بکھرے خیالات“ کی تعبیر و تفسیر کے لیے پروفیسر عبدالحق کا مضمون ”اقبال کی ڈائری“، ”بکھرے خیالات“، ”Stray Reflections“ کا تجزیاتی مطالعہ قابل غور ہے۔ اس کے مطالعہ سے ”بکھرے خیالات“ کی انفرادیت کا نقشہ سامنے آتا ہے۔

اقبال کی ڈائری ”بکھرے خیالات“، ”Stray Reflection“ کا تجزیاتی مطالعہ کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقبال کی شاعری مشرق و مغرب کا احاطہ کیے ہوئے ہے اس لیے آپ شاعر مشرق بھی کہلائے اور حکیم الامت بھی۔ آپ کی نثری خدمات بھی علم و حکمت، دانش و آگہی اور فکر و فلسفہ سے بھرپور ہیں۔ علم الاقتصاد، ڈائری، پی ایچ ڈی کا مقالہ، تشکیل جدید المات اسلامیہ جیسے خطبات۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ اقبال نے سب سے پہلے نثری کتاب علم الاقتصاد لکھی اور پھر اس کے بعد اپنی ڈائری لکھنا شروع کی۔ پروفیسر عبدالحق نے ڈائری لکھنے کی تاریخ اور سال کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

”ترتیب زمانی کے لحاظ سے یہ ڈائری ان کی دوسری کتاب ہے جسے انھوں نے ۱۹۱۰ء اپریل ۲۷/۲۷ء میں

لکھنا شروع کیا۔ ان کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔ مگر افکار کا تلام شروع ہو چکا تھا۔“

اس کے پانچ سال بعد ۱۹۱۵ء میں اقبال کا فلسفہ ”اسرار خودی“ منظر عام پر آیا۔ اقبال مولانا روم کی شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ مولانا روم نے قرآن پاک کے اثر و نفوذ کو فکر و پیکر میں سمو یا اور اقبال نے رومی سے یہی کچھ حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شعر و فلسفہ میں بنی نوع انسان کی عظمت کا سوز و گداز نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے تو اس حد تک رومی کا اثر اقبال کی شخصیت پر بتایا ہے کہ اقبال نے قرآنی آیات اور احادیث میں بھی صرف ان کا انتخاب کیا ہے جو رومی کے ہاں ملتی ہیں۔ آپ کہتے ہیں:

”گویا اقبال نے تقریباً انہی آیات اور احادیث کا انتخاب کیا ہے جو رومی کے ہاں ملتی ہیں اسی طرح ہم کہہ سکتے

ہیں کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی کے توسط سے بھی کیا ہے۔ نہ صرف قرآن اور حدیث کے بارے میں

یہ بات کہی جاسکتی ہے بلکہ اکثر اقوال کے بارے میں بھی جن کا ماخذ صوفیہ کے ہاں بتایا گیا ہے، ان کی بابت بھی

یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ بھی رومی کے ہاں سے لیے گئے ہیں۔“

اقبال کی ڈائری پر نگاہ دوڑائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقبال ہمیشہ مطالعہ میں مگن رہے ان کی سوچ ہمیشہ آگے کی طرف دیکھتی۔ فکرِ اقبال اس مطالعہ سے پروان چڑھی اور اس میں جدید و قدیم اور مشرق و مغرب کا دلنشین مرکب بھی سامنے آتا ہے۔ اس طرح ایک حسین امتزاج ہے جو مطالعہ اقبال میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ اس امتزاج کی نمایاں جھلک اس ڈائری میں دیکھی جاسکتی ہے۔ محمد ﷺ، عیسیٰ مسیح اور گوتم بدھ کی شکل میں دیکھئے:

”حضرت محمد ﷺ گوتم بدھ اور عیسیٰ مسیح تصور کائنات کے عظیم پیکر ہیں“ ۹

اسی طرح رومی، نظیری، پیدل، غالب، دانے، ورڈس ورتھ کے بارے میں دلکش تصورات نظر آتے ہیں۔ اس ڈائری کا مطالعہ بہت اہم ہے جبکہ کچھ ماہرین صرف اقبال کی شاعری کو ہی اہم سمجھتے ہیں اور صرف شاعری کے مطالعے پر زور دیتے ہیں۔ حالانکہ اقبال کی ہر تحریر کا مطالعہ فکری و فنی اعتبار سے بھی اہمیت کا حامل ہے اور ادبی اعتبار سے بھی اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے اس بات کو ذہن میں رکھ کر ہم ڈائری کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ بیاض فکرِ اقبال کی اہم کڑی ہے۔ یہ دور فکرِ اقبال کی تشکیل میں بہت اہم ہے۔ ابتدائی دور ۱۹۰۵ء میں ختم ہوا۔ پھر تین سالہ تعلیم کا دور ہے جو یورپ میں قیام کا زمانہ ہے۔ اس دور کے نتائج انتہائی نتیجہ خیز ہیں۔ اقبال کے تصورات میں تبدیلی، پختگی، ارتقاء وغیرہ کے حوالہ سے یہ اہم ترین دور ہے۔ ڈائری میں ان تبدیلیوں کے اشارات واضح طور پر نظر سے گزرتے ہیں۔

اس تصنیف سے قبل اقبال کی کتاب ”علم الاقتصاد“ منظر عام پر آئی تھی۔ بظاہر تو یہ علم معاشیات پر اردو میں اقبال کی پہلی کتاب تھی مگر اس کتاب میں جگہ جگہ اقبال کے دل میں موجود بنی نوع انسان سے محبت کا اظہار ملتا ہے گویا اس کتاب میں اقبال نے انسان کی زندگی کے مسائل پر نگاہ ڈالی ہے۔ اس طرح پروفیسر عبدالحق کے یہ قول یہ کتاب انسانی سماج کے مسائل کی فکر انگیز داستان ہے۔

اس کے بعد اقبال یورپ گئے تو دیگر کئی مسائل ان کے ذہن میں پیدا ہو چکے تھے۔ افکار میں بھی تلام پیدا ہو چکا تھا۔ یہی فکر لے کر یورپ روانہ ہوئے۔ وہاں کی تعلیم اور مشاہدہ سے فکرِ اقبال میں چند تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ خاص طور پر قومیت اور تصوف کے تصور میں نمایاں پختگی پیدا ہوئی۔ اقبال نے علاقائی یا جغرافیائی نظریہ قومیت کو مذہب کا کفن قرار دیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے اجتماعیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور یہ مغرب کا چلایا ہوا جادو ہے، مغربی افسانہ ہے اور یہ فسوں کاری کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اقبال ارتقاء کے کسی دور میں اس موضوع سے غافل نہیں رہے اور نہ ہی ہندوستان کے مسائل سے کبھی چشم پوشی کی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ مسائل سے ان کی دل چسپی جذباتی حد تک بڑھ گئی۔ اس گہری وابستگی نے اقبال کو قومی عقیدہ و تہذیب، ماضی و حال اور عروج و زوال کی طرف متوجہ کیا۔ ڈائری میں اسلام، عیسائیت اور بدھ مت کے تقابلی مطالعے میں مصروفیت اسی

دور کی بات ہے۔ اس ڈائری میں حضرت محمد ﷺ کی ذات کو اور ان کے ارشادات کو فکر و فلسفہ کے معیار اور نصاب پر پرکھ کر پیش کیا ہے۔

اقبال نے جو کچھ لکھا ڈاکٹر جاوید اقبال کے بہ قول ضروری نہیں کہ ان سے اتفاق کیا جاسکے مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے تصورات حقیقت کے معیار پر پورے اترتے ہیں اور اس کے لیے لازم ہے کہ ان سے اتفاق کیا جائے۔ اس ڈائری میں بہت سے مفکرین کا ذکر بھی ملتا ہے جس سے اقبال کے مآخذ اور مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ نطشے کا ذکر اور اس کے افکار کا حوالہ بھی پہلی بار اس ڈائری میں ہی سامنے آتا ہے۔ اس ڈائری میں اقبال نے قوت اور طاقت کے فلسفہ پر خاص طور پر روشنی ڈالی ہے۔ اس سے اقبال کا ذہن، افکار اور مزاج سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

”طاقت و انسان ماحول کی تخلیق کرتا ہے اور ناتواں خود کو اس ماحول میں ڈھالتا ہے“ ۱۰

آگے چل کر کہتے ہیں:

”تہذیب ایک طاقت و انسان کی فکر ہے“ ۱۱

ڈائری سے طاقت اور قوت کے حوالہ سے صرف دو مآخذ شامل کیے ہیں جبکہ مزید دو اور بھی ہیں۔ پروفیسر عبدالحق نے اس دور کے اقبال کو سمجھنے کے لیے چار مآخذوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلا مآخذ ان کی سوانح عمری ہے۔ اس میں یورپ سے واپسی کے بعد روزگار کے مسائل کا ذکر ہے۔ اس حوالہ سے یہ مشکل دور ہے۔ دوسرا مآخذ شاعری کو قرار دیا ہے اس دور کی شاعری پر حسن و عشق کا جنون طاری ہے۔ کہیں کہیں پیغام اور اصلاح کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔ تیسرا مآخذ اقبال کے خطوط ہیں۔ خاص طور پر عطیہ فیضی کے نام خطوط۔ ان خطوط میں اقبال کی زندگی کی دردناک داستان پوشیدہ ہے۔ چوتھا مآخذ اقبال کا فکر و فلسفہ ہے۔ اس مآخذ سے برآمد ہونے والا اقبال بالکل مختلف ہے۔ یہ خود نوشت بہت ہی مختصر دور کی فکری سرگزشت ہے۔ اقبال کی اس ڈائری کا مطالعہ کریں تو انسان حیرت انگیز مرحلوں سے دوچار ہوتا ہے۔ ہیگل، گوٹے، غالب، پیدل اور ورڈس ور تھ کا ذکر کرتے ہوئے اقبال نے اپنی ڈائری میں سیر حاصل تبصرہ لکھا۔ بکھرے خیالات کا عدد (۱۱۰) ”شاعر بہ حیثیت انسان“ ہے۔ پروفیسر عبدالحق کہتے ہیں کہ اقبال نے اپنی گھریلو زندگی کا خوبصورت نقشہ اس میں پیش کیا ہے۔ گھر بچوں کو اپنے کاندھوں پر بٹھاتے، بوڑھی والدہ کے ہاتھوں کا لمس اور پیاز ان کے اندر ایک شباب آفریں زندگی بخشتا۔ اقبال اپنے بچوں کا دل بہلاتے، ان کے ساتھ کھیلتے۔ ان حالات میں اقبال کوئی فلسفی نہیں بلکہ ایک حقیقی انسان کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔

اقبال کی ڈائری کا آغاز ”فن“ سے ہوتا ہے۔ اور اقبال کے افکار کا نچوڑ یہ ہے کہ انسانی تخلیق کا پاکیزہ ذریعہ اظہار فن ہی ہے۔ اقبال کی ڈائری کے مطالعے سے جہاں مختلف موضوعات سامنے آتے ہیں وہاں اقبال کے مطالعے اور نصب العین سے بھی

آگاہی ہوتی ہے۔ گوئے کا بار بار ذکر کیا ہے۔ حماسہ کے حوالے سے عربی شاعری کے بنیادی کردار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے صرف ایک ہی حوالہ دیا ہے۔ جو عدد (۵۶) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اقبال نے اس ڈائری میں قطعی اور دو ٹوک طریق اظہار اختیار کیا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ فکر انگیز خیالات کا اظہار گہری بصیرت کے ساتھ پر زور لب و لہجہ میں کیا جائے اس کے لیے انگریزی میں یہ ڈائری لکھی۔ اقبال نے اپنی فکری تخلیقات کے اظہار کو خطبات کی شکل میں انگریزی زبان میں ہی قلمبند کیا تھا جس کا بعد میں ”تشکیل جدید الہیات اسلامیہ“ کے نام سے اردو ترجمہ ہوا۔ اقبال نے اپنی ڈائری میں غالب کو خاص طور پر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اقبال نے لکھا ہے۔

”غالب کی عظمت کا اعتراف ابھی ہوتا ہے۔“ ۱۲

اس کے بعد غالب شناسی پر وان چڑھی اور عبدالرحمن بجنوری نے غالب کے حوالے سے کام کیا۔ اقبال نے سب سے پہلے غالب کو گوئے کا ہم نوا قرار دے کر اردو ادب میں مغرب کے ساتھ تقابلی ادب کی بنیاد رکھی۔ اقبال نے مرثیہ نگاری میں اجتہاد کیا اور شخصی مرثیہ لکھا۔ غالب پر مرثیہ لکھا اور ”بانگ درا“ میں غالب اور گوئے کے حوالے سے لکھا:

”آہ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرمیدہ ہے گلشن و بیر میں تیرا ہم نوا خواہیدہ ہے“ ۱۳

پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں:

”اقبال سے پہلے مولانا حالی کی یادگار غالب شائع ہو چکی تھی۔ وہ ایک شاگرد کا ستائشی کارنامہ ہے لیکن مغربی شاعر کے مقابل غالب کو پیش کرنے کی پہل اقبال نے ہی کی ہے اور آج غالب کے مطالعہ و انہماک پر جو توجہ ہے اس سے اقبال کی پیش گوئی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہو رہی ہے۔“ ۱۴

اس طرح اقبال نے اپنی ڈائری میں نظیری نیشاپوری کا ذکر بھی عمدہ انداز میں کیا ہے۔ مذہبی شخصیات میں گوتم بدھ کا نام اقبال نے ڈائری میں خاص طور پر احترام سے لیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اقبال کے ذہن میں ہندی فکر و فلسفہ کی کس قدر زیادہ اہمیت تھی۔

بکھرے خیالات میں کل ”۱۳۶“ شذرات فکر اقبال شامل ہیں۔ ان سے فکر اقبال کے ارتقا کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس ڈائری کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ اردو کے عظیم شاعر کی انگریزی زبان میں لکھی جانے والی پہلی یادداشت ہے۔ یہ صرف ماہ و سال اور دن رات کا اوقات نامہ نہیں ہے بلکہ بہت سے موضوعات کا مختصر مگر جامع خزانہ ہے۔ اس ڈائری میں کئی چیزیں ایسی بھی ہیں جن کی توضیح شعری یا دیگر نثری تحریروں میں نہیں ملتی۔ ان چیزوں کو رد نہ کیا جائے کیونکہ ان کے فلسفہ و فکر کے ساتھ شعر و فن کی تفہیم میں یہ شہ پارے بے حد معاون ہیں۔

پروفیسر عبدالحق کے مطابق اقبال اپنی تحریروں کے شائع ہونے کے حق میں نہ تھے شاید وہ انھیں محض اپنے لیے مطالعہ کے قابل سمجھتے ہوں لیکن نابغہ روزگار شخصیت ہونے کے ناطے اقبال کی مذکورہ تحریریں فکرِ اقبال کی سمت متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اقبال نے زندگی کے جس دور میں یہ بیاض قلم بند کی وہ اگرچہ اُن کی زندگی کا جذباتی لمحہ تھا مگر آپ نے کبھی اپنے اوپر جذباتیت کو طاری نہ ہونے دیا افتخار احمد صدیقی اس حوالہ سے لکھتے ہیں:

”اقبال کے اسلوبِ زندگی اور اسلوبِ فکر میں افراط و تفریط کا عمل دخل نہیں تھا۔ ان کی زندگی کا کوئی دور ایسا

نہیں جس میں ان کی شخصیت یا ان کے کردار پر جذباتیت کا گمان ہو سکے“ ۱۵۔

کسی بھی مفکر کا کمال ہی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے معاملات سے اجتناب کرے اور قوم کو صحیح فکر و فلسفہ سے متعارف کروائے۔ اقبال نے اس ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھایا ہے۔ اقبال کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ اس بیاض کے مطالعہ کے بغیر ممکن نہیں۔ بقول میاں ساجد علی:

”ان کے فکر کی ایک جھلک ہمیں ان کی ذاتی بیاض میں موجود ان ایک سو پچیس منتشر خیالات میں بھی ملتی

ہے“ ۱۶۔

الغرض بیاضِ اقبال کا مطالعہ سے جہاں اقبال کے فکر و فلسفہ کے پوشیدہ پہلو نمایاں ہوتے ہیں وہیں اقبالیاتی تحقیق کے

مزید درواہ ہوتے ہیں۔

حواشی:

۱۔ پروفیسر عبدالحق، مترجم، ڈاکٹر جاوید اقبال، مرتبہ، ”اقبال، بکھرے خیالات“، ابتدا نیہ، اسیلا آفسٹ پرنٹرز دریانج، نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۵ء، ص ۲۷۔

۲۔ ”اقبال، بکھرے خیالات“، تعارف، ص ۱۳۔

۳۔ حافظ سید حامد جلالی، ”علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی“، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۷۔

۴۔ ”اقبال، بکھرے خیالات“، تعارف، ص ۴۶۔

۵۔ Iqbal, Stray Reflections, Edited, Dr. Javid Iqbal, Ref: Khuram Ali Shafique, P-158

۶۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ”تصانیفِ اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ“، طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۸۳۔

۷۔ پروفیسر عبدالحق، اقبال۔ شاعر رنگین نوا ”اقبال کی ڈائری بکھرے خیالات کا تجزیاتی مطالعہ“، اسیلا پریس دریانج، نئی دہلی، مئی ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۹۔

۸۔ ڈاکٹر اکبر حسین قریشی، ”مطالعہ تلمیحات و اشاراتِ اقبال“، طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۶۸۔

- ۹ ”اقبال، بکھرے خیالات“، ص ۹۰۔
 - ۱۰ ایضاً، ص ۹۲۔
 - ۱۱ ایضاً۔
 - ۱۲ ایضاً، ص ۷۲۔
 - ۱۳ اقبال، ”کلیات اقبال اردو، بانگ درا، مرزا غالب“، اشاعت ششم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۲۰۰۴ء، ص ۵۶۔
 - ۱۴ اقبال شاعر رنگین نوا، اقبال کی ڈائری ”بکھرے خیالات“ کا تجزیاتی مطالعہ، ص ۷۱۔
 - ۱۵ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی مترجم، جسٹس جاوید اقبال، مرتبہ، ”شذرات فکر اقبال“، مجلس ترقی ادب، لاہور، دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۶۔
 - ۱۶ میاں ساجد علی، مترجم، ڈاکٹر جاوید اقبال، مرتبہ ”منتشر خیالات اقبال“، بک کارنر پاکستان، جہلم، مارچ ۲۰۱۶ء، ص ۱۴۔
- فہرست اسناد محولہ:
- ۱۔ اقبال: ۲۰۰۴ء، ”کلیات اقبال اردو، بانگ درا، مرزا غالب“، اشاعت ششم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔
 - ۲۔ جلالی، حامد، سید، حافظ: ۱۹۹۸ء، ”علامہ اقبال کی ازدواجی زندگی“، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی۔
 - ۳۔ صدیقی، افتخار احمد، ڈاکٹر: ۱۹۷۳ء، ”شذرات فکر اقبال“، مترجم، جسٹس جاوید اقبال، مرتبہ: دامبر، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور۔
 - ۴۔ عبدالحق، پروفیسر، مارچ ۲۰۱۵ء، ”بکھرے خیالات“، مترجم، ڈاکٹر جاوید اقبال، مرتبہ، اصیلا آفسٹ پرنٹرس دریانچ، نئی دہلی۔
 - ۵۔ عبدالحق، پروفیسر: ۲۰۰۹ء، ”اقبال۔ شاعر رنگین نوا، اقبال کی ڈائری بکھرے خیالات کا تجزیاتی مطالعہ“، اصیلا پریس دریانچ، نئی دہلی۔
 - ۶۔ علی، ساجد، میاں: مارچ ۱۹۱۶ء، ”منتشر خیالات اقبال“، مترجم، ڈاکٹر جاوید اقبال، مرتبہ بک کارنر پاکستان، جہلم۔
 - ۷۔ قریشی، اکبر حسین، ڈاکٹر: ۲۰۰۴ء، ”مطالعہ تلمیحات و اشارات اقبال“، طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔
 - ۸۔ ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر: ۲۰۰۱ء، ”تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ“، طبع دوم، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔
 - ۹۔ Iqbal, Stray Relfections, Edited, Dr. Javid Iqbal, Ref: Khuram Ali Shafique